بنگال میں ہندو مسلم کشمکش کا تنقیدی مطالعہ

سید شاہد حسن رضوی

بنگال ہندوستان کا وہ زرخیز اور مردم خیز خطہ ہے جسے خلیج بنگال کے دو عظیم اور ہندوانہ عقائد کے تحت نہایت مقدس، متبرک دریا گنگا اور جمنا زرخیزی، شادابی، خوبصورتی اور معاشی خوشحالی بخشتے ہیں۔ تاریخ کے صفحات میں پہلی بار چوتھی صدی عیسوی میں مورین (Mauryan) سلطنت، بعدازاں تاریخ کا ایک دوسرا اہم باب اس وقت سامنے آیا جب ۷۰۵ء میں بنگالیوں نے گپتا کو اپنا بادشاہ منتخب کیا جو سلطنت پالا کا بانی تھا۔ یہ سلطنت پالا کا ہی بانی نہیں تھا بلکہ یہ بنگالی ترقی وخوشحالی کا بانی بھی تھا۔ اس دور میں بنگال شمالی ہندوستان کی ریاستوں میں ممتاز نظر آتا تھا۔ بنگالی معاشرہ امن، سکون اور نظم وضبط کا خوگر تھا۔ اس دور میں بنگال بدھ مت کا مرکز تھا۔ پالا حکومت کا خاتمہ سینا کے ذریعے ہوا۔ یہ محض ایک سیاسی تبدیلی ہی نہ تھی بلکہ ایک نظریاتی تبدیلی بھی تھی۔ کیونکہ سینا ہندو مت کے پجاری بھی تھے اور مبلغ بھی۔ اس طرح ہندو ثقافت کی ترویج واشاعت ہونے کے سبب ذات پات کا رجحان فروغ پذیر ہوا۔ طبقاتی تقسیم معاشرتی زندگی میں جنم لینے لگی، سنسکرت زبان درسگاہوں میں رائج کی جانے لگی۔

یہ سلطنت اپنے آغاز میں عسکری وثقافتی لحاظ سے بہت زیادہ مقتدر، منظم اور فعال تھی۔ لیکن ہر کمال را زوال کے مصداق ۱۱۹۲ء[1] میں غزنی فرمانروا سلطان شہاب الدین محمد غوری (وفات ۱۲۰۶ء) نے پرتھوی راج کو شکست دی اور ہند کی تاریخ کا ایک نیا باب اس طرح شروع ہوا کہ سلطان شہاب الدین محمد غوری کے غلاموں قطب الدین ایبک (وفات ۱۲۱۰ء)[2] نے دہلی میں، ناصر الدین قباچہ (۱۲۱۰۔۱۲۲۸ء)[3] نے سندھ میں اور محمد بختیار خلجی نے ۱۲۰۲ء[4] میں بنگال کے مقامی راجہ لکشمی سین کو شکست دے کر حکومت قائم کر لی[5]، یہ تبدیلی ایک خاندان کی حکومت کی تبدیلی نہ تھی بلکہ ایک نئی معاشرتی اور مذہبی تبدیلی کی بنیاد تھی۔

مسلمانوں کی آمد سے قبل آریائی ہندوؤں نے بالائی شمالی ہندوستان سے نقل مکانی کر کے مغربی بنگال میں مقامی آبادی پر معاشی ومعاشرتی غلبہ حاصل کر لیا تھا لیکن مقامی آبادی نے ان کی مذہبی بالادستی کو قبول نہ کیا۔ یہ مقامی باشندے یا تو بدھ مت کے پیروکار تھے یا پھر تترک مت اور شکتی مت کے پجاری تھے۔ یہ دونوں مذاہب ہندو مذہب کی ایک ترقی یافتہ شکل تھی جس میں ذات پات کی تفریق کی، پروہتوں کے غیر معمولی اختیارات کی یکسر نفی تو نہیں تھی لیکن جن خدائی اختیارات کو پنڈت نے مذہب کا جزو لاینفک بنا دیا تھا اور ذات پات کو جو تفوق حاصل تھا، ان مذاہب میں ان کی تکذیب ضرور نظر آتی ہے۔ ان نظریات کے حامل افراد جغرفیائی لحاظ سے بنگال کے مشرقی حصے میں آباد تھے۔

مغربی حصے میں بسنے والے وہ افراد جو آریائی ہندوؤں کے غلبے کے سامنے مزاحم ہو سکتے تھے اور نہ ہی ان کی بالا دستی قبول کرتے تھے۔ وہ بھی وقتاً فوقتاً گروہ در گروہ مشرقی حصے میں پناہ گزین ہو جاتے تھے۔ گویا اس طرح مغربی بنگال اور مشرقی بنگال مذہب کی بنیاد پر علیحدہ علیحدہ تشخص کے حامل تھے۔ مشرقی حصے کی کی آبادی صرف اپنے مذہبی تشخص کا ہی دفاع کر سکی۔ کیونکہ آریائی ہندو پورے بنگال کی سیاست و معیشت پر حاوی تھے اور ان مزاحم مذہبی گروہوں کو ملیچھ محکوم اور حقیر گردانتے تھے[6] اور مشرقی حصے میں بسنے والے بنگالیوں کو کبھی بھی باعزت ہندو قوم کا حصہ نہیں سمجھتے تھے۔[7] اس پس منظر میں جب بختیار خلجی (۱۲۰۲ء) میں محض اٹھارہ سواروں کے ساتھ حملہ آور ہوا تو برہمن شاہی خاندان کی بالا دستی کی حمایت میں کوئی مزاحمت نہ ہوئی اور راج دھانی نادیہ پر بختیار خلجی قابض ہو گیا۔[8]

نئے آنے والے حکمرانوں کے نظریات میں نہ تو ذات پات کے امتیاز کے گھیرے اور نا قابل عبور حصار تھے اور نہ ہی وہ دین کے معاملے میں کسی جبر کے قائل تھے۔ چنانچہ سابقہ حکمران خاندانوں کے تشکیل شدہ استحصالی نظام سے نجات حاصل کرنے کے لئے مشرقی بنگال کے ہندومت، تترک مت، اور شکتی کے پیروکاروں نے جوق در جوق اسلام قبول کرنا شروع کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا مشرقی بنگال مسلم بنگال کا روپ دھار گیا۔[9]

یہ صورت حال ہند کے دوسرے حصوں میں ظہور پذیر نہیں ہو سکی کیونکہ وہاں ہندومت کے علاوہ کوئی دوسرا مذہب ایسا نہیں تھا جو کہ ہندو جبر اور برہمن ازم کی چیرہ دستیوں کا شکار ہو کر کسی نجات دہندہ کا منتظر ہو۔ چنانچہ شمالی اور وسطی ہند میں مسلمانوں کا اثر محض شہروں تک محدود رہا[10] اور تبدیلی مذہب کا جو تھوڑا بہت اثر پیدا ہوا، دیہات ان سے بالکل الگ تھلگ رہے۔ بنگال میں مسلم اکثریت اس لئے بھی رہی کہ بنگال کا صوفی ابتدا ہی سے ہندومت کے غلبے اور اسکی بالا دستی کو ایک چیلنج سمجھتا رہا تھا بلکہ اس کے خلاف وہ مسلح جدوجہد کا قائد بھی رہا۔ چنانچہ رام پال کے بزرگ بابا آدم شہید (مدفن رام پال) محمد شاہ سلطان ماہی سوار (مدفن ماہستان ضلع بوگرا)، مخدوم شاہ دولہ شاہ یمن (مدفن پٹنہ)، مخدوم شاہ محمد غزنوی (مدفن منگل کوٹ ضلع ہردوراں)، ظفر خان غازی (مدفن تربینی)، شاہ صفی الدین (چھوٹا پاندہ ضلع ہگلی)، الغ خان (مدفن ترھن)، حضرت شاہ جلال (مدفن ضلع سلہٹ)، پیر بدرالدین اور دوسرے بزرگوں نے ہندو غلبے کے خاتمے اور مسلمانوں کو استحصال سے نجات دلانے میں اہم کردار ادا کیا[11]۔ اس کے برعکس شمالی اور وسطی ہندوستان کے صوفیا اور بزرگوں کا ایک گروہ ہندو مسلم اتحاد کی تبلیغ کرتا رہا۔ انہوں نے اپنی شاعری، رہن سہن، حتٰی کہ عبادت کی مجالس کو اس رنگ میں ڈھال لیا تا کہ ہندو اسلام کے قریب آ جائیں۔ قوالیاں، شب برأت میں چراغاں، دھمال، تعزیے اور علم انہی کوششوں کے مظہر ہیں۔ بابا فریدؒ (۱۸۹۸ء)، امیر خسرو (۱۲۵۳-۱۳۲۴ء) اور مادھو لال حسین (۱۵۷۵-۱۶۴۶ء) ان کوششوں میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ نیز بھگت کبیر داس (۱۴۲۵-۱۵۱۸) بابا گورو نانک

(۱۴۶۹ء۔۱۵۳۹ء) بھی اسی طرز فکر کے حامی تھے۔ یہ بزرگ خود وسیع القلب تھے، اس لئے وہ بھی یہ سمجھ بیٹھے کہ اس طرز بود و باش سے وہ ہندومت کو اسلام کے قریب لے آئیں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہو سکا اور نہ ہی ہو سکتا تھا۔ کیونکہ ہندومت نے اپنے گرد ذات پات کا حصار کھینچا ہوا ہے۔ وہ اپنے علاوہ دوسروں کو ملیچھ اور کمتر سمجھتے ہیں۔ نیز ان میں سخت قسم کی قوت مزاحمت ہے کہ جب ہندومت کمزور ہوتا ہے تو وہ اپنے نظریات و خیالات کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے۔ وقتی طور پر وہ قوت مزاحمت ختم کر لیتا ہے اور بدلتے ہوئے حالات کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال لیتا ہے۔ یا بادی النظر میں ڈھلا ہوا نظر آتا ہے۔ لیکن جونہی اس کو موقع ملتا ہے وہ اپنی تمام تر مصلحتوں کا جوا اتار پھینکتا ہے[12]۔ چنانچہ اس کے نتائج بھی وقتی اور عارضی رہے اور ہندو مسلم کشمکش اپنی پوری شدت و توانائی کے ساتھ جاری و ساری رہی۔ ہندوؤں نے ترک افغان حکمرانوں کے اقتدار کو ہمیشہ قابل برداشت سمجھا اور اس کے خاتمے کے درپے رہے۔ چنانچہ سولہویں صدی کے آخر میں جب مغل جرنیلوں نے بنگال کے مسلم حکمرانوں کے خاتمے کے لئے اپنی مہمات کا آغاز کیا تو بنگال کے ہندو اس کوشش میں ان کے سب سے طاقتور حلیف تھے[13]۔ ہندو قوتوں کی اسی معاونت نے افغانوں کو بنگال سے نکالا اور مغلوں کے اقتدار کا راستہ ہموار کیا۔ مغلوں کے اقتدار کا آغاز ہندوؤں کے اقتدار کا احیاء بنا۔ نصیر الدین جہانگیر (۱۵۶۹ء۔۱۶۲۷ء) کے زمانے میں بنگال میں ہر سطح کی تمام دیوانی ملازمتیں صرف ہندوؤں کے تصرف میں تھیں[14]۔ اس امر کی تائید بنگال کے مشہور کانگریسی رہنما سی پی رائے نے بھی کی کہ اورنگ زیب کے عہد میں بنگال کے ہندوؤں کو منصب داری اور بڑی بڑی جاگیریں عطا کی گئیں اور وہ بڑے بڑے زمیندار بنا دئے گئے۔ اورنگ زیب نے ہندوؤں کو گورنر جنرل بنایا، وائسرائے بنایا۔ یہاں تک کہ خالص اسلامی ملک افغانستان پر بھی جو نائب دار السلطنت مقرر کیا تھا وہ ہندو راجپوت ہی تھا[15]۔

اورنگ زیب کے بعد جب مغل حکومت کمزور ہوئی تو دور دراز کے گورنروں نے نوابؒ کے لقب اختیار کر کے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ صوبیدار مرشد قلی خان بھی نواب مرشد قلی خان بن گئے۔ ہندو نوازی کی یہی مغل پالیسی مرشد قلی خان اور اس کے جانشینوں نے جاری و ساری رکھی لیکن جونہی انگریزوں نے حصول اقتدار کے لئے اپنی کوششوں کا آغاز کیا اور بنگال کے مسلم نوابوں کے خلاف منصوبہ بندی شروع کی تو ہندوؤں کا یہی مراعات یافتہ طبقہ انگریزوں کے ساتھ مکمل معاونت کر کے مسلم اقتدار کے خاتمہ کا سبب بنا[16]۔ اس طرح ہندوؤں نے بدیسی اقتدار کو لانے میں ایک کلیدی کردار ادا کیا۔ بلکہ بعد ازاں ہندو دانشوروں اور مؤرخین نے اس پر خوشی کے شادیانے بجائے۔ مسلمانوں کی مخالفت میں وہ اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ انہوں نے انگریزی سامراجیت کو ایک تابناک صبح، اندھیری رات کا خاتمہ، اور ایک دور جدید کا نام دیا۔[17]

کمپنی کا تمام دورانیہ (۱۷۵۷ء۔۱۸۵۷ء) ہندو گٹھ جوڑ کا عکاس ہے۔ اس پورے عرصے میں مسلمانوں کو سیاسی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق سے یکسر محروم کر دیا گیا۔ نواب کے خاتمے سے سیاسی اقتدار ختم ہوا۔ معاشی بدحالی کی وجہ سے فوج کا ادارہ توڑ دیا گیا اور ہزاروں مسلمان بے روزگار ہو گئے۔ مغل شہنشاہ سے بنگال کے مالی انتظام کا پروانہ لے کر نہ صرف بنگال کے سرکاری ریونیو پر تصرف حاصل کیا بلکہ محکمہ میں جس قدر مسلمان تھے ان کی جگہ ہندوؤں کو تعینات کیا گیا۔ نیز بھرتی کے اشتہارات میں واضح طور پر یہ لکھا جاتا تھا کہ مسلمان درخواست بھی نہ دیں۔[۱۸] محکمہ انصاف مکمل طور پر مسلمانوں کے پاس تھا اس کو ختم کر کے برطانوی طرز کی عدالتیں قائم کر دیں اور اس طرح مسلم اشرافیہ کو عضو معطل بنا کر بنگال کی ملت اسلامیہ پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا[۱۹]۔

سرکاری ملازمتوں سے بے دخل کرنے کے بعد مسلم جاگیروں اور مسلم تعلیمی وثقافتی اداروں کو ختم کرنے کے لئے ایک ہی رات میں آٹھ ہزار وقف ختم کئے اور لارڈ کارنوالس (۱۷۷۵ء۔۱۸۰۵ء) نے ۱۷۹۳ء میں بندوبست دوامی (Permanent Settlement) رائج کر کے مسلمان امراء سے اراضی چھین کر ان ٹھیکداروں کو دے دی جو کہ مالیہ جمع کرنے کے فرائض پر مامور تھے[۲۰]۔ اس فیصلے سے مسلمان امراء ان کے دست نگر ہو گئے۔ کیونکہ قدیم میراث دار صدیوں کے مالکانہ حقوق سے محروم کر دئے گئے[۲۱]۔ نتیجتاً مسلمانان بنگال معاشی ابتری اور معاشرتی زبوں حالی کے گرداب میں پھنس گئے۔ اس کے ساتھ ہی انگریز کا پیدا کردہ ایک اور طبقہ ''گماشتہ'' پیدا ہوا۔ اس طبقے کو کمپنی کی حکومت کی مکمل پشت پناہی حاصل تھی۔ یہ اشیاء کے نرخ انگریزی حکومت کی مرضی سے مقرر کرتا اور کسان اس بات کا پابند تھا کہ اس کے مقرر کردہ نرخوں پر اشیاء کی خرید وفروخت کرے[۲۲]۔ جو ایسا نہ کرتے ان کو جیلوں میں تشدد کا نشانہ بنایا جاتا۔ مسلم اکثریت کا جنوب مشرقی ڈیلٹائی علاقہ ''گماشتہ'' کا خصوصی ہدف بنا۔ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد علاقے سے نقل مکانی کرنے پر مجبور ہوئی اور یہ سرسبز وشاداب علاقہ ویرانی کا نمونہ بن گیا[۲۳]۔

ہندوؤں کی سرپرستی اور مسلمانوں کی بیخ کنی یہیں تک محدود نہ تھی بلکہ نیل یعنی (Indigo) کاشت کرنے والے انگریز تاجر بھی مسلمان کاشتکاروں کی تباہی کا سبب بنے۔ یہ لوگ انڈیگو کی کاشت کا جو معاوضہ ادا کرتے تھے وہ فصلی اخراجات کے برابر بھی نہیں ہوتا تھا اور اگر مسلمان کاشتکار انڈیگو کی کاشت سے منکر ہوتے تو ان کو ہراساں کیا جاتا، ان پر تشدد کیا جاتا، حتٰی کہ وہ بے دخل تک کر دئے جاتے۔ اس پالیسی نے مسلمان کاشتکاروں سے قوت لایموت تک چھین لی اور وہ رفتہ رفتہ غربت وافلاس میں گھرتے چلے گئے[۲۴]۔

مسلمانوں کو سرکاری ملازمتوں سے محرومی اور زمینوں سے بے دخلی کے مطلوبہ نتائج کے حصول کے بعد ذمہ داران حکومت نے یہی پالیسی صنعت وحرفت میں بھی اختیار کی۔ گماشتہ کے کردار کا نتیجہ یہ نکلا کہ ڈھاکہ کی ململ و دیگر کپڑا

جو ۱۷۹۱ء میں بارہ لاکھ روپے کا برآمد ہوتا تھا، صرف چودہ سال کے بعد اس کی مالیت تین لاکھ رہ گئی۔ حتٰی کہ حالات یہاں تک پہنچ گئے کہ مزید تین سال کے بعد ڈھاکہ کی کمرشل ریذیڈنسی ہی بند کر دی گئی [۲۵]۔ اس طرح مسلم بنگال انگریزوں اور ہندوؤں کے گٹھ جوڑ کی بناء پر معاشی و معاشرتی طور پر ذلت آمیز زندگی گزارنے پر مجبور ہو گیا۔ اس زبوں حالی کا نتیجہ تعلیمی پسماندگی اور بے روزگاری تھا جس کی عکاسی درج ذیل رپورٹوں سے ہوتی ہے: [۲۶]

سال	ہندو	مسلمان	دیگر	کل اقوام
۱۸۴۱ء	۳۱۸۸	۷۵۱	۹۵	۴۰۳۴
۱۸۴۶ء	۳۸۴۶	۶۰۶	۸۵	۴۵۳۷
۱۸۵۲ء	۳۸۱۴	۷۹۶	۶۴	۴۶۷۴
۱۸۵۶ء	۶۱۹۴	۷۳۷	۱۴۷	۷۰۶۸

کمپنی کی حکومت کا بنیادی مقصد مسلمانوں کی قوت مزاحمت کو یکسر ختم کرنا تھا۔ ہر مقام اور ہر جگہ پر اسی پالیسی کو اختیار کیا گیا حتٰی کہ تعلیمی پالیسی بھی اسی فکر کی غماز تھی۔ لارڈ ہارڈنگ نے دیہی سستی تعلیم کا مرکز جنوب مغربی بنگال کو بنایا جو ہندو اکثریت کا علاقہ تھا۔ حالانکہ تعلیمی لحاظ سے یہ صوبے کا سب سے زیادہ تعلیمی تناسب رکھنے والا علاقہ تھا۔ یہاں ۳۸ ماڈل سکول قائم کئے جن پر حکومت کے اخراجات کم از کم ۱۱۰۰ پونڈ تھے۔ واضح رہے کہ یہ وہ رقم تھی جو فیسوں کی وصولیوں کے باوجود حکومت کے خزانے سے خرچ کی جاتی تھی [۲۷]۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اپنے مطلوبہ نتائج تو نہ حاصل کر سکی لیکن ہندوستان تاجروں کے تسلط سے نکل کر براہ راست تاج برطانیہ کے زیر نگیں آ گیا جس کے نتیجے میں ہند میں سیاسی و سماجی اصلاحات کا آغاز ہوا، جس کے مثبت نتائج سامنے آئے۔ بنگال میں اسی صورت حال کا اعادہ ہوا بلکہ اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ بنگال کا مسلمان جو گذشتہ ایک سو سال سے انگریز تاجر اور ہندو گماشتے کے مشترکہ جبر و استبداد کا شکار تھا اب اس کی حالت زار کے بارے میں بھی سنجیدگی سے سوچا جانے لگا۔ اس کی وجہ انگریزوں کے ضمیر کی بیداری یا ہندوؤں کا ہندوستان ازم ہونا نہیں تھا بلکہ اس کی دیگر تین وجوہات تھیں:

۱۔ بنگالی مسلمانوں کا فرائضی تحریک [۲۸] اور سید احمد شہید کی تحریک جہاد [۲۹] میں بھرپور اور فعال کردار، جس نے انگریز پالیسی سازوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

۲ ہندوؤں کے مطالبات و توقعات کو حدود میں رکھنے کے لئے مسلمانوں کو آگے بڑھانے کی پالیسی کا آغاز۔

۳ بنگال کے مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی اور معاشی زبوں حالی کے خاتمے کے لئے مسلم اکابرین آگے بڑھے

اور انہوں نے بنگالی مسلمانوں کو جہالت اور معاشی پسماندگی کی لعنت سے نکالنے کے لئے دامے۔درمے۔ قدمے اور سخنے کام کیا۔ ان عظیم المرتبت انسانوں میں نواب مولوی عبدالطیف (۱۸۲۸ء۔۱۸۹۳ء)، نواب امیر علی (۱۸۱۰ء۔۱۸۷۹ء)، نواب سر عبدالغنی (۱۸۳۰ء۔۱۸۹۶ء)، نواب بہادر سید ولایت علی شاہ، نواب سید امیر حسن، چوہدری سید نواب علی (۱۸۲۹ء۔۱۸۶۳ء)، نواب سلیم اللہ خان (۱۸۶۴ء۔۱۹۱۵ء) اور سید امیر علی (۱۸۴۹ء۔۱۹۲۸ء) وغیرہ کی کوششیں تاریخ ساز ہیں۔ ان لوگوں کی مساعی جمیلہ کا یہ نتیجہ نکلا کہ بنگال نے برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ کے ہر فیصلہ کن موڑ پر ایک تاریخ ساز اور رہنما کردار ادا کیا۔

حوالہ جات

۱- Prasad Ishwari, A Short History of Muslim Rule in India, Lahore, 1986, 75

۲- ایضاً، ۸۱

۳- ایضاً، ۸۲

۴- ایضاً، ۷۷

۵- سراج منہاج الدین، طبقات ناصری، جلد اول، لاہور، ۱۹۷۵ء مترجم غلام رسول مہر، ۷۵۰۔۷۵۶

۶- Y.U.V. Gankovsky, The people of Pakistan ,2nd edition, 1973, 95 and see also Mahbahhrata, Chapter, Sabhaparva

۷- W.W. Hunter, The Indian Muslmans, Lahore, 1974, 129

۸- سراج منہاج الدین، بحوالہ سابقہ، ۷۶۸۔۷۷۰

۹- Abdul Karim, Social History of Muslim in Bengal, Dhaka, 1959, 142-143

۱۰- سلاطین دہلی اور بعد ازاں مغل بادشاہوں نے بھی اشاعت اسلام کو بطور پالیسی اختیار نہیں کیا۔ ان تمام حکمرانوں کا طرز عمل سیکولر بادشاہ جیسا تھا بلکہ صوفیہ کی خانقاہوں کا بھرپور کردار ہی ہندوستان میں اسلام کی ترویج و اشاعت کا سبب بنا مزید تفصیل کے لئے دیکھئے شیخ محمد اکرام کی رود کوثر، آب کوثر، موج کوثر۔

۱۱- عبدالکریم، بحوالہ سابقہ، ۱۰۰۔۱۲۷۔

۱۲۔ سید محمد آصف رضوی، جنوبی ایشیا میں ہندو مسلم کشمکش کا ایک تجزیاتی مطالعہ، مجلّہ علوم اسلامیہ، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور، ۱۹۹۹ء

۱۳۔ زاہد چوہدری، بنگالی مسلمانوں کا تحریک پاکستان میں نمایاں ترین کردار، لاہور، ۱۹۹۶ء، ۴۱۔۴۲

۱۴۔ سید طفیل احمد، منگلوری، مسلمانوں کا روشن مستقبل، لاہور، ۱۹۴۵ء، پنجم ایڈیشن

۱۵۔ ایضاً، ۵۴؛ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے انڈین ریکارڈ سیریز بنگال ۱۹۵۴ء۔ ۱۹۵۷ء، ۴۷، ۱۰۷

۱۶۔ Kankrot Kali Dutt, Ali Vardi Khan and His Time, Calcutta, 1939, 57,58

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے جے۔ایچ۔ٹل۔واش کی کتاب ، History of Murshad Abad District, London, 1902, 256

Ram Gopal, How British Occupided Bengal, New York, 1963, 200, 230

۱۷۔ Jadu Nath Sirkar, Mughal Administration, 2nd edition, Bombay, 1970, 49-

۱۸۔ ایضاً، ۴۹۸، ۴۹۹

۱۹۔ طفیل احمد منگلوری، بحوالہ سابقہ

۲۰۔ W.W Hunter، بحوالہ سابقہ

۲۱۔ A.R Mallick, British policy and Muslims in Bengal, Dacca, 1961, 42

۲۲۔ Rumesh Dutt, Economic History of Indian, London, 2nd, Vol. 35-36

۲۳۔ ایضاً، ۳۸

۲۴۔ A.R.Mallick، بحوالہ سابقہ، ۵۳، ۵۴

۲۵۔ ایضاً، ۵۸

۲۶۔ زاہد چوہدری، بحوالہ سابقہ، ۶۳

۲۷۔ W.W.Hunter، بحوالہ سابقہ، ۱۷۹، ۱۸۰

۲۸۔ انیسویں صدی میں بنگال کے مسلمانوں میں ایک مسلح تحریک فرائضی تحریک کے نام سے شروع ہوئی جس کے بانی حاجی شریعت اللہ تھے۔ اس کا مقصد مسلمان کاشت کاروں میں مذہبی تبلیغ کے علاوہ انہیں ہندو زمینداروں اور انگریز تاجروں کے ظلم سے نجات دلانا تھا۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے علمائے ہند کا شاندار ماضی، از مولوی محمد میاں، مذاہب ہند کی تحقیقات از پادری ٹائیٹس (انگریزی) صفحہ نمبر، ۱۷۹۔۱۸۰

۲۹۔ یہ ایک مسلح تحریک تھی جس کے بانی سید احمد شہید تھے۔ اس تحریک کا مقصد حکومت الٰہیہ کا قیام تھا، یہ شمالی ہندوستان سے شروع ہو کر پورے ہندوستان میں پھیل گئی۔ تفصیل کے لئے دیکھئے سید ابوالحسن ندوی کی سیرت سید احمد شہید۔